غالب کے لیے تین شاگردوں کے تین مرثیے

ڈاکٹر رؤف خیر

موتی محل، گولکنڈہ، حیدرآباد۔500008، موبائل: 9440945645

مختلف بیماریوں اور مالی مشکلات کے شکار مرزا غالب مرنے کی آرزو کرنے لگے تھے۔ آخری زمانے میں فارسی لغت ''برہانِ قاطع'' کے رد میں ''قاطعِ برہان'' لکھنے کے بعد مرزا غالب پر کئی لکھنے والوں نے ہلّہ بول دیا۔ غالب کس کس کا جواب دیتے۔ کچھ جوابات اپنے شاگردوں کے نام سے بھی لکھے جیسے میاں دادخاں سیاحؔ کی طرف سے اپنی تائید میں ''لطائفِ غیبی'' بھی لکھی۔ گالیوں بھرے خطوط بھی مرزا غالب کو ملا کرتے تھے۔ ان سارے حادثات سے گزرتے ہوئے غالب نے کبھی پست ہمتی نہیں دکھائی۔ مرنے سے آٹھ سال پہلے ہی ''غالب مرد'' سے اپنی تاریخ وفات نکال رکھی تھی جس سے ۱۲۷۷ھ سنہ برآمد ہوتا ہے۔ (تاریخ ادب اردو مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی) کے مطابق:

''مرزا غالب نے آخر زمانے میں سید مقبول عالم کو ایک خط لکھا تھا کہ انھوں نے بہت دنوں سے ایک شعر کہہ رکھا ہے اور وہ شعر یہ ہے:

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالبِ مرد

مرزا کی یہ آرزو تھی کہ ان کے بعد ان کا کوئی دوست ان کا مرثیہ لکھے اور اس شعر کو بند قرار دے کر ترکیب بند رقم کرے۔ چنانچہ انھوں نے سید مقبول عالم کو وصیت کی تھی... پتہ نہیں کہ سید مقبول عالم یہ خواہش پوری کر سکے یا نہیں کر سکے، لیکن قربان علی سالک نے چھ بند پر مشتمل ایک ترجیع بند لکھ کر مرزا کی یہ خواہش پوری کر دی۔ قربان علی سالک کے علاوہ مرزا غالب کے دو اور شاگرد حالیؔ اور میر مہدی مجروح نے بھی غالب کی خواہش کی تکمیل میں غالبؔ کے مذکورہ شعر کی بنیاد پر ترکیب بند لکھے۔''

مرزا غالب کو علیٰ کل غالب بنانے والے شاگرد رشید خواجہ الطاف حسین حالیؔ نے اپنے استاد کی خواہش کے احترام میں دس دس اشعار کے دس بندوں پر مشتمل اسّی اشعار کا مرثیہ لکھا جس کے دوسرے بند کا آخری شعر ہے:

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالبِ مرد

پہلے بند میں حالیؔ نے زندگی کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا ہے جو مرثیے کی گویا تمہید ہے:

کیا کہوں حالِ دردِ پنہانی
وقت کوتاہ و قصہ طولانی
عیشِ دنیا سے ہو گیا دل سرد
دیکھ کر رنگِ عالمِ فانی
کچھ نہیں جز طلسمِ خواب و خیال
گوشۂ فقر و بزمِ سلطانی
ہے سراسر فریبِ وہم و گماں
تاجِ فغفور و تختِ خاقانی
بے حقیقت ہے شکلِ موجِ سراب
جامِ جمشید و راحِ ریحانی
لفظ مہمل ہے نطق اعرابی
حرفِ باطل ہے عقلِ یونانی
ایک دھوکا ہے لحنِ داؤدی
اک تماشا ہے حسنِ کنعانی
نہ کروں تشنگی میں تر لبِ خشک
چشمۂ خضر کا ہو گر پانی
لوں نہ اک مشتِ خاک کے بدلے
گر ملے خاتمِ سلیمانی
بحر ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں

اس تمہید کے بعد حالیؔ نے بے ثبات دنیا کے پیچھے بھاگنے والے کو متنبہ یوں کیا:

جس سے دنیا نے آشنائی کی
اس سے آخر کو کج ادائی کی
تجھ پہ پھولے کوئی عبث اے عمر
تونے کی جس سے بے وفائی کی

اس بند کے دسویں شعر کے طور پر حالی نے غالب کی خواہش کے احترام میں غالب کا وہی شعر دیا ہے:

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسداللہ خان غالب مرد

اس مرثیے کا تیسرا بند بہت مقبول خاص وعام ہوا اور اکثر جماعتوں کے نصاب میں بھی یہی بند دیا جاتا رہا جس سے غالب کے تئیں حالی کی عقیدت بولتی دکھائی دیتی ہے:

بلبل ہند مر گیا ہیہات
جس کی تھی بات بات میں اک بات
نکتہ داں نکتہ سنج نکتہ شناس
پاک دل پاک ذات پاک صفات
شیخ اور بذلہ سنج شوخ مزاج
رند اور مرجع کرام و ثقات
لاکھ مضمون اور اس کا ایک ٹھٹھول
سو تکلف اور اس کی سیدھی سی بات
دل میں چبھتا تھا وہ اگر بمثل
دن کو کہتا تھا دن اور رات کو رات
ہو گیا نقش دل پہ جو لکھا
قلم اس کا تھا اور اسی کی دوات
تھیں تو دلی میں اس کی باتیں تھیں
لے چلیں اب وطن کو کیا سوغات
اس کے مرنے سے مرگئی دلی
خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات
یاں اگر بزم تھی تو اس کی بزم
یاں اگر ذات تھی تو اس کی ذات
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

مرثیے کے ایک ایک مصرعے میں حالی نے غالب کی زندگی کا اک اک پہلو بیان کر کے اعجاز بیانی کی مثال قائم کی۔ مرثیے کے دیگر بند دراصل اسی بند کی توسیع لگتے ہیں۔ چوتھے بند میں حالی نے اگلے شاعروں پر غالب کی فوقیت واہمیت کا جواز پیش کیا ہے:

دل کو باتیں جب اس کی یاد آئیں
کس کی باتوں سے دل کو بہلائیں
کس کو جاکر سنائیں شعر و غزل
کس سے دادِ سخن وری پائیں
اس کو اگلوں پہ کیوں نہ دیں ترجیح
اہلِ انصاف غور فرمائیں
قدسی و صائب و اسیر و کلیم
لوگ جو چاہیں اس کو ٹھیرائیں
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے
ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں
غالبِ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

پانچویں بند میں حالی نے اپنے استاد غالب کی نثر ونظم وحال وقال کی عکاسی کی ہے جس کے کمال کے آگے انوری وکمال بھی پھیکے لگتے ہیں۔ حالی کہتے ہیں:

نثر حسن و جمال کی صورت
نظم غنج و دِلال کی صورت
تہنیت اک نشاط کی تصویر
تعزیت اک ملال کی صورت
قال اس کا وہ آئینہ جس میں
نظر آتی تھی حال کی صورت
چشمِ دوراں سے آج چھپتی ہے
انوری و کمالؔ کی صورت
لوحِ امکاں سے آج مٹتی ہے
علم و فضل و کمال کی صورت
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے
غالبِ بے مثال کی صورت
اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈے نہ پائیں گے یہ لوگ

غالب کے گزر جانے کی وجہ سے صرف شہر دلی ہی نہیں سارا شہر ادب ہی سوگوار ہو گیا تھا۔ اس چھٹے بند میں بھی غالب کے کردار کے چند پہلو

حالی نے پیش کیے:

شہر میں جو ہے سوگوار ہے آج
اپنا بیگانہ اشک بار ہے آج
نازشِ خلق کا محل نہ رہا
رحلتِ فخرِ روزگار ہے آج
بارِ احباب جو اٹھاتا تھا
دوشِ احباب پر سوار ہے آج
دلِ مضطر کو کون دے تسکیں
ماتمِ یارِ غم گسار ہے آج
کس کو لاتے ہیں بہر دفن کہ قبر
ہمہ تن چشمِ انتظار ہے آج
غم سے بھرتا نہیں دل ناشاد
کس سے خالی ہوا جہان آباد

فخرِ روزگار غالب کی رحلتِ جاں کاہ پر اپنا تو اپنا بیگانہ بھی اشک بار تھا کہ کیسی نابغۂ روزگار ہستی سے جہان آباد خالی ہوگیا۔

حالی بجائے خود اچھے شاعر ہیں سونے پر سہاگہ یہ کہ وہ غالب کے تربیت یافتہ بھی ہیں اس لیے ان کے ایک ایک مصرعے بلکہ ایک ایک لفظ سے غالب کی شخصیت مترشح تو ہوتی ہی ہے خود حالی کی خوش سخنی بھی بولتی دکھائی دیتی ہے:

نقدِ معنی کا گنج داں نہ رہا
خوانِ مضموں کا میزباں نہ رہا
ساتھ اس کے گئی بہارِ سخن
اب کچھ اندیشۂ خزاں نہ رہا
اہلِ ہند اب کریں گے کس پر ناز
رشکِ شیراز و اصفہاں نہ رہا
کوئی ویسا نظر نہیں آتا
وہ زمیں اور آسماں نہ رہا
اٹھ گیا تھا جو مایہ دارِ سخن
کس کو ٹھیرائیں اب مدارِ سخن

حالی نے کہا کہ غالب تو بجائے خود بڑے کام کا باکمال شاعر تھا، مگر زمانہ ہی اسے سازگار نہ ملا۔ اس نے تو سخن کا حق ادا کیا، مگر اس کی قدر کماحقہٗ نہ ہوئی۔ غالب کی خوبی یہ بھی تھی کہ خاکساروں سے تو وہ خاکساری سے پیش آتے تھے، مگر جو رعونت و انانیت کے مارے تھے انھیں غالب گھاس نہیں ڈالتے تھے:

کیا ہے جس میں وہ مردِ کار نہ تھا
اک زمانہ کہ سازگار نہ تھا
شاعری کا کیا حق اس نے ادا
پر کوئی اس کا حق گزار نہ تھا
خاکساروں سے خاکساری تھی
سر بلندوں سے انکسار نہ تھا
لب پہ احباب سے بھی تھا نہ گلہ
دل میں اعدا سے بھی غبار نہ تھا
ایسے پیدا کہاں ہیں مست و خراب
ہم نے مانا کہ ہوشیار نہ تھا
مظہرِ شانِ حسنِ فطرت تھا
معنیِ لفظِ آدمیت تھا

ہر بند میں حالی نے غالب کی کوئی نہ کوئی خوبی ضرور بیان کی ہے۔ اس طرح اپنے مخلصانہ جذبات کے اظہار سے اس مرثیے کو یادگار بنا کے چھوڑا ہے۔ اگلے نویں بند میں غالب کے نہ ہونے سے دلی کی ویرانی کا خاکہ حالی نے کھینچا ہے۔

غالب کے بغیر تو باغ وقفس میں کوئی تمیز نہیں کی جاسکتی جیسے حسن یوسفؑ کے بغیر مصر ظلمت کدہ ہوگیا ہو۔ جیسے افلاطون کے بغیر ملک میں انارکی پھیل گئی ہو جیسے پھلوں میں ذائقہ ہی نہ رہ گیا ہو، جیسے بزم بے چراغ ہوگئی ہو:

کچھ نہیں فرق باغ و زنداں میں
آج بلبل نہیں گلستاں میں
شہر سارا بنا ہے بیتِ حزن
ایک یوسف نہیں جو کنعاں میں
ملک یک سر ہوا ہے بے آئین
اک فلاطون نہیں جو یوناں میں
ختم تھی اک زباں پہ شیرینی
ڈھونڈ تے کیا ہو سیب و رمّاں میں
گوشِ معنی شنو ہوا بے کار
مرغ کیوں نعرہ زن ہے بستاں میں
وہ گیا جس سے بزم روشن تھی
شمع جلتی ہے کیوں شبستاں میں

ماہِ کامل میں آگئی ظلمت
آبِ حیواں پہ چھاگئی ظلمت

آخری بند میں حالی نے کہا کہ پورے ہند پر غالب نے اپنے ہنر کا سکہ بٹھادیا تھا۔غالب کے حوالے سے اسلاف کی قدر کرنی سیکھی اب غالب کی قدر کون کرے گا:

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ نا سخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

اس بند میں اپنی محرومی کا اظہار کر کے حالی نے غالب سے اپنی وابستگی کا انجام دکھایا ہے:

ہند میں نام پائے گا اب کون
سکّہ اپنا بٹھائے گا اب کون
ہم نے جانی ہے اس سے قدرِ سلف
اُن پر ایمان لائے گا اب کون
اس سے ملنے کو یاں ہم آتے تھے
جا کے دلی سے آئے گا اب کون
مرگیا قدر دانِ فہمِ سخن
شعر ہم کو سنائے گا اب کون
تھا بساطِ سخن میں شاطر ایک
ہم کو چالیں بتائے گا اب کون
شعر میں ناتمام ہے حالؔی
غزل اس کی بنائے گا اب کون

اس طرح حالؔی نے دل پر اثر کرنے والا مرثیہ لکھ کر غالب سے دلی لگاؤ کا اظہار کیا۔ یہاں ہر بند سے منتخب اشعار پیش کیے گئے ہیں:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک
تندرستی ہزار نعمت ہے

جیسے ضرب المثل شعر کے خالق پر عوام الناس بڑا ظلم ڈھاتے ہیں کہ اس شعر کو غالب سے منسوب کر دیتے ہیں۔قربان علی سالک نے بھی اپنے استاد مرزا غالب کی آخری خواہش کا احترام کرتے ہوئے نونو اشعار پر مشتمل چار بند کا مرثیہ لکھا جس کے ہر بند کا دسواں شعر غالب کا فرمودہ تھا:

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

حالؔی کے مرثیے کی طرح ہر بند کا آغاز مطلع سے ہوتا ہے۔سالک کے بھی صرف منتخب اشعار پیش کیے جارہے ہیں:

شب کو اختر شمار ہونا تھا
روز آنکھوں میں تار ہونا تھا
تیغِ بیداد تیز ہونی تھی
اور مجھ پر ہی وار ہونا تھا
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسداللہ خان غالب مرد

دوسرے بند میں بھی قربان علی سالک نے غالب کی جدائی کو زندگی بھر کا غم قرار دیا:

اب نہیں ہوش میں رہا کوئی
کیا مرا حال پوچھتا کوئی
نہیں چھٹنے کی زندگانی تک
غم کی سمجھا نہ انتہا کوئی

اگلے تیسرے بند میں غالب کے غم میں سالک کا جو حال ہے اس کا اظہار کیا گیا ہے:

جس میں رہتا تھا ہائے جلوۂ یار
ہے وہی آنکھ غم سے طوفاں بار
جان لب پر کبھی نہ آئی تھی
اب لبوں سے بھی ہوگئی بیزار
اب وہ پیمانۂ حیات ہو
زیب کف تھا جو ساغر سرشار
یک نفس زندگی محال ہوئی
کاش آساں ہو مردنِ دشوار
سببِ گریہ پوچھتے ہیں لوگ
مجھ کو کہنا پڑا یہی ناچار
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

سالک نے آخری بند میں غالب کے بعد کی صورتِ حال کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

یہ کس آتش زباں کا مرنا آہ
کرگیا برق سے سوا مضطر
کشتِ امید ہو گئی تاراج
خرمنِ صبر پر چلی صرصر
مجھ پہ سو بار حشر بھی گزرا

پر نہ اس حادثے سے تھا بڑھ کر
ہوگیا ہے مرا یہ تکیہ کلام
پہلے ہر بات سے یہ ہے لب پر
رشکِ عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مر د

اس میں شک نہیں قربان علی سالک کا مرثیہ خواجہ الطاف حسین حالی کے مرثیے کی سطح کو نہیں پہنچتا، مگر اس کا یہ مطلب نکالا نہیں جاسکتا کہ سالک کا غم حالی کے غم سے کچھ کم رہا ہے۔ بقول خیؔر:

سمجھنے والے یقیناً سمجھ ہی لیتے ہیں
ہمارا درد جو اظہار میں نہیں آتا

تعلقِ خاطر اظہار کے سانچے میں تڑپ بن کر ابھرتا ہے۔ بس سلیقۂ اظہار کی ضرورت ہے۔

میر مہدی مجروحؔ بھی غالب کے چہیتے شاگرد تھے جنھیں استاد کے پاؤں دابنے میں بھی سرخ روئی محسوس ہوتی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ مختانے کے پیسے داب کر غالب اپنی محبتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ استاد شاگرد کے مابین تعلقِ خاطر کا یہ عالم ہے کہ غالب کے مزار پر اسی شاگرد رشید میر مہدی مجروح کا قطعۂ تاریخ کتبے کی صورت آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

کل میں غم و اندوہ میں با خاطر محزوں
تھا تربت استاد پہ بیٹھا ہوا غم ناک
دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کے مجروح
ہاتف نے کہا ''گنج معانی ہے تہِ خاک''

۱۲۸۵ھ

''گنج معانی ہے تہِ خاک'' کے ٹکڑے سے غالب کی تاریخ وفات ۱۲۸۵ ہجری برآمد ہوتی ہے۔

میر مہدی مجروحؔ نے بھی حقِ شاگردی ادا کرتے ہوئے غالب کے مذکورہ شعر کی بنیاد پر آٹھ آٹھ شعر کے نو بند پر مشتمل گویا بہتّر اشعار کا مرثیہ کہہ کر استاد غالب کی خواہش کا پاس ولحاظ رکھا۔ ہر بند کا اختتام رشکِ عرفی وفخر طالب مرد... پر ہوتا ہے۔ ہر بند سے کچھ منتخب اشعار پیش ہیں:

کیوں نہ ویرانہ ہو دیارِ سخن
مرگیا آج تاج دارِ سخن
عرصۂ نظم کیوں نہ ہو ویراں
ہے عناں کش وہ شہسوارِ سخن
ساتھ ان کے گئی سخن سنجی
ان کا مرقد ہی ہے مزارِ سخن
نغمہ پیرائیاں کہاں ویسی
اب یہ ہے نالہ ہائے زارِ سخن
رشکِ عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

مجروحؔ بھی غالب کی گوناگوں خوبیوں کا بیان کرتے ہوئے غالب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

شہد گویا بھرا دہان میں تھا
کیا مزہ آپ کے بیان میں تھا
ہند میں رہ کے رشکِ ایراں ہو
وصف حضرت کی جو زبان میں تھا
وہی گل چین مرگ نے توڑا
پھول یکتا جو گلستان میں تھا
ان کی روزِ وفات، دہلی میں
یہی مذکور دوستان میں تھا
رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

اب مجروح استاد غالب کے کمال کا تقابل دیگر استادانِ سخن سے کرنے لگتے ہیں:

تھے نظامی سے نظم میں ہمسر
فوق تھا نثر میں ظہوری پر
آتشِ غم کی ہے بھڑک ویسی
کام آئے نہ اپنے دیدۂ تر
کون سنتا ہے اب کسی کی بات
آج کل تو یہ شور ہے گھر گھر
رشکِ عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

غالب سے دلی کے خالی ہوجانے پر اہلِ دلی کو بدقسمت قرار دیتے ہوئے مجروح اپنے جذبات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

اہلِ دہلی کی تھی بری تقدیر
جو اٹھا، یاں سے ایسا با توقیر
ایسے پھر صاحبِ کمال کہاں
ہے یہ فضل و ہنر کا دورِ اخیر

یہاں مجروح استاد غالب سے اپنی عقیدت بیان کرتے ہوئے انھیں میر کا جانشین قرار دیتے ہیں:

نظم اردو سے ٹپکی پڑتی ہے
وہ جو ہے طرزِ خاص حضرتِ میر
اور دیوانِ فارسی اُن کا
فلکِ نظم کا ہے ماہِ منیر
غزلِ فارسی میں ہے جو شعر
ہے نظیری کی فکر کا وہ نظیر
ان کی دوری میں دیکھ لے مجھ کو
جس نے دیکھی نہ غم کی ہو تصویر
باغِ فضل و ہنر کو خالی دیکھ
نالہ زن یوں ہے بلبلِ دل گیر
رشک عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

غالب کی اپنے تئیں شفقت ومحبت کو یاد کر کے مجروح یوں جدت کا اظہار کرتے ہیں:

ان کی شفقت جو یاد آتی ہے
چشم دریائے خوں بہاتی ہے
بے قراری کا زور مت پوچھو
صبر کی دھجیاں اڑاتی ہے
ان کی دوری میں ہے یہ بدمزگی
کہ نہیں زیست اپنی بھاتی ہے
یہ انہی کا مزار ہے شاید
یاں سے کچھ بوئے الفت آتی ہے
کان دھر کر جدھر سے سنتے ہیں
یہ ندا آکے غم بڑھاتی ہے
رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسداللہ خان غالب مرد

اس کے بعد غالب کی یاد میں ہر کس وناکس کا بے حال ہونا بیان کرتے ہوئے غالب کے چاہنے والوں کی سوگواری کا خاکہ مجروح نے یوں کھینچا ہے:

ایک جاں اور لاکھ کا ہشِ غم
ایک دل اور ہزار رنج و الم
ہے ہر ایک شہر اور قریے میں
اس عدیم النظیر کا ماتم
جس پہ گزرے وہی یہ جانتا ہے
غمِ ہجراں ہے کس غضب کا ستم
کہیں اس درد کا نہیں درماں
کہیں اس زخم کا نہیں مرہم
مجھ سے پُرساں ہے اس مصیبت کا
تجھ کو معلوم کیا نہیں ہمدم
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

مجروح نے ہر بند کے آخری شعر کو اتنے سلیقے سے نبھایا ہے کہ اہلِ نظر داد دینے پر خود کو بہر حال آمادہ پاتے ہیں۔ مجروح کے لیے غالب کے بغیر سارا جہاں تاریک لگتا ہے:

جب کہ آنکھوں سے وہ نہاں ہو جائے
کیوں نہ دم سینے میں ساں ہوجائے
مہر معنی ہے خاک میں پنہاں
کیوں نہ تاریک سب جہاں ہو جائے
یوں تو چُپ بیٹھنا نہیں اچھا
دلِ پُردرد کچھ بیاں ہو جائے
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

آگے مجروح سارا غصہ آسماں پر نکالتے ہیں جس نے غالب کو پیوند خاک کر ڈالا۔ غالب جیسے استادِ سخن کے نہ ہونے سے جہان آباد کی رونق ہی جاتی رہی:

کون دیتا ہے یاں کسی کی داد
تم کیے جاؤ نالہ و فریاد
کیا شریفوں کی قدر ہو اس کو
آسماں جب کہ خود ہو سفلہ نہاد
اس کو ہے اپنی کج روی سے کام
کوئی برباد ہو کہ ہو آباد
کوئی استادِ فن مرے تو مرے
ہے یہ جور و ستم میں خود استاد
انتقالِ جنابِ غالب نے

کردیا خانۂ ادب برباد
گفتگو میں عجب فصاحت تھی

پوچھا یہ سانحہ جو یاروں نے
ہوتے تھے محو جس کو سن کے ادیب

بولا مجروح با دلِ ناشاد
خوش ہی جاتا تھا واں سے ہر غم گیں

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
تھے مگر آپ خوش دلی کے طبیب

اسد اللہ خان غالب مرد
ان کا تابوت دیکھ باحسرت

غالب کی خوبیاں گناتے ہوئے مجروح عقیدتاً کہتے ہیں کہ غالب کبھی لہو ولعب میں گرفتار نہیں دیکھے گئے۔ وہ صلح کل کے آدمی تھے۔ وہ غالب کو فصیح دوراں مانتے تھے:

یہی کہتا تھا ہر امیر و غریب
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد

تھی جو اُن کے مزاج میں تہذیب
اسد اللہ خان غالب مرد

وہ جہاں میں نہیں کسی کو نصیب
اُن سے دیکھا کبھی نہ فعل عبث

اِس سے آگاہ سب بعید و قریب
صلح کل کا رکھا تھا وہ برتاؤ

تھے وہ دشمن کی بھی نظر میں حبیب
تھی نہ اک بات لطف سے خالی

یہ بھی اک بات تھی عجیب و غریب

اس طرح غالب کے تین چہیتے شاگردوں نے اپنے استاد کے دل گداز مرثیے لکھتے ہوئے جہاں اپنے جذبات کا دل کش اظہار کیا وہیں غالب کی بے شمار خوبیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے غالب کے کردار پر روشنی بھی ڈالی۔ غالب خوش قسمت تھے کہ انھیں حالی، سالک اور مجروح جیسے بےلوث و بےغرض شاگرد نصیب ہوئے۔ غالب بھلے ہی اپنے آپ کو ''عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ'' سمجھیں، انھیں زندگی میں بھی بہت چاہنے والے ملے۔

◆◆◆

ضروری اطلاع

''ایوانِ اردو، دہلی اور ''بچوں کا ماہنامہ اُمنگ'' کو کثیر تعداد میں قلمکاروں کی نگارشات موصول ہوتی ہیں۔ تمام قلمکاروں کو جواب دینا ممکن نہیں ہوتا، جو تخلیقات برائے اشاعت منظور کر لی جاتی ہیں، ان کو حتی الامکان جواب دے دیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو منظوری کا جواب موصول ہو جائے وہ اپنی تخلیق دوسری جگہ برائے اشاعت روانہ نہ فرمائیں، جو قلمکار ایسا کرتے ہیں یہ ادبی اور اخلاقی بددیانتی ہے۔ ادارہ ایسے قلمکاروں کو ''بلیک لسٹ'' کرنے میں حق بہ جانب ہوگا۔

قارئین سے گزارش

اردو اکادمی، دہلی سے شائع ہونے والے رسالے 'بچوں کا ماہنامہ امنگ' اور 'ایوانِ اردو' دہلی اپنی مقبولیت کے سبب ہندوستان کے گوشے گوشے تک پہنچتے ہیں، لیکن پھر بھی بعض لوگ شکایت کرتے ہیں کہ انھیں رسالہ نہیں ملا۔ وہ پہلے اپنے ڈاک خانہ سے رجوع کریں اور اپنا اندراج نمبر اور پتا دفتر میں فون کر کے چیک کرائیں۔ ساتھ ہی اپنے احباب اور متعلقین کو دونوں رسالوں کے خریدار بنائیں۔ تاکہ اردو کے فروغ میں آپ کی بھی حصّہ داری ہو سکے۔

توجہ طلب

- قلمکار حضرات اپنی ہر تخلیق کے ساتھ اپنا پاس بک میں درج نام انگریزی میں اسپیلنگ کے ساتھ ضرور لکھیں۔ اپنا مکمل پتا، پن کوڈ اور رابطے کے لیے فون نمبر بھی ضرور درج کریں۔
- قلمکاروں سے ایک گزارش اور ہے کہ بذریعہ ای۔میل اپنی تخلیقات بھیجنے سے قبل اپنی تخلیقات کو ایک بار ضرور پڑھ لیں تاکہ اس میں پروف کی غلطیاں کم سے کم رہیں۔

—ادارہ